© rasailojaraid.com

ہندستان میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے مسائل

جائزہ اور چند تجاویز

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاد شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی

زبان انسانی معاشرت کی کنجی ہے، اس کے ذریعے سے ہم کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کے گنج ہائے گرانمایہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور اس وسیلے سے اس کے مزاج و فکر کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی وہ لطیف قوت ہے جو ہمارے سماجی رشتوں کو باندھے رکھتی ہے۔ اقوام عالم سے بھی کوئی لین دین ممکن نہیں اگر پائے سخن درمیان نہ ہو۔

عربی زبان دنیا کی اہم زبانوں میں سے ایک ہے۔ دوسری زبانوں کی خصوصیات یک طرفہ ہیں، لیکن عربی زبان کے امتیازات میں بھی متعدد پہلو ہیں۔ لسانی اعتبار سے یہ سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے، اور اس خاندان کی واحد زندہ زبان ہے۔ عبرانی یا حبشی زبانوں کا اس سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی سریانی اور فنیقی زبانوں کی طرح میوزیم میں سجانے کی چیز بن گئی ہوتی لیکن اس پر اللہ نے یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ اس کے بولنے والے قبیلے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اسے اپنے ابدی پیغام کا ذریعہ بنالیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ عربی مبین میں نازل ہونے والے قرآن کریم کو ہر قسم کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ رکھنے کا بھی خود ہی ذمہ لے لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا مذہبی پہلو ہمارے موضوع گفتگو سے دور ہے، لیکن لسانی اعتبار سے یہ تجدید و شرف ہی عربی زبان کی زندگی اور تحفظ اور ترقی کا سبب بن گیا۔ دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جسے اتنے اہتمام سے محفوظ کیا گیا ہو، جس کے ایک ایک حرف پر صدیوں سے غور و فکر ہو رہا ہو، اور معانی و مطالب کے نئے نئے دروازے کھل رہے ہوں جس کی ایک کتاب کی بدولت سینکڑوں کتب خانے وجود میں آگئے ہوں اور جس کتاب کے متبرک کلمات کو کروڑوں مسلمان دن میں کم از کم پانچ بار ایک فرض سمجھ کر پڑھتے ہوں۔

مسلمانوں کے طویل دورِ حکومت میں بہت قلیل مدت ایسی رہی جب عربی سرکاری کاروبار کی زبان رہی ہو۔ سرکاری زبان کی حیثیت فارسی کو حاصل رہی لیکن عربی ہر دور میں سیادت کرتی رہی اس لیے کہ وہ مذہبی اور علمی زبان رہی، اور جہاں بھی گئی وہاں کی مقامی بولیوں نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا اور اس سے قوت اور روشنی مانگ کر اپنی تاب و توانائی میں اضافہ کیا۔ آج سراسر ہند میں شاید ہی کوئی زبان یا بولی ایسی ہو جو کسی نہ کسی درجے میں عربی کی مقروض نہ ہو۔

اس انیسویں صدی کے نصف اول تک عربی زبان صرف وہی حضرات پڑھتے تھے جو علوم دینیہ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ اُس وقت تک مسلمانوں کا اقتصادی نظام بھی ایسا تھا کہ وہ علم کو ذریعۂ معاش نہیں بلکہ شرفِ انسانیت سمجھتے تھے۔ اسی لیے دینی مدارس میں بھی ایسے طلبہ آتے تھے جو اپنے خاندان میں علم کی طویل اور مستحکم روایت کے امین ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ صورت حال تبدیل ہوتی گئی اور کسبِ معاش کے لالچ نے اچھے طلبہ کی اکثریت کو کالجوں کی طرف ہانک دیا اور وہ صورت حال پیدا ہوگئی جسے اکبر نے ایک ہی مصرع میں قلمبند کر دیا ہے:

"کونسل میں بہت سیّد، مسجد میں فقط جمّن"

اس کا کوئی تدارک اُس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک دینی مدارس کے نصاب کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج کی اصطلاح میں معاش سے مربوط (JOB - ORIENTED) نہ بنایا جائے اِس کے لیے ایک تو ہمارے علماء تیار نہ تھے، دوسرے واضح طور پر کوئی ایسی سمت بھی نہیں تھی جسے معاش کی ضمانت کے طور پر اختیار کر لیا جائے۔

اب بیسویں صدی کے نصف آخر میں دعائے ابراہیمی کی برکات ہندستان تک بھی پہنچیں تو عربی زبان نے ایک نئی اہمیت حاصل کر لی اور اب ان ملکوں کے لئے جہاں عربی صرف مذہبی زبان کی حیثیت سے پڑھی جاتی تھی اِس زبان میں معاش سے مربوط (JOB- ORIENTED) نصاب تعلیم بنانا ممکن ہوگیا ہے۔ اب عربی زبان کی تعلیم نمایاں طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ غیر محسوس طور پر ہو بھی گئی ہے۔ یعنی (۱) دینی تعلیم اور (۲) معاش سے مربوط تعلیم (JOB - ORIONTED EDUCATION)

دینی نصاب میں حسب اقتضائے زمانہ کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں، لیکن صرف اتنا اشارہ غالباً کافی ہوگا کہ ہمارے مدارس سے نکلے ہوئے طلبہ صرف مقامی اور اندرونی ضروریات کو شاید پورا کر سکتے ہوں، دوسری اقوام عالم کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کے لئے ہم نے مستشرقین کو ایک صدی سے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ میں اِس گناہ سے مدارس کو بری نہیں سمجھتا۔

دوسرا پہلو معاش سے مربوط نصابِ تعلیم کا ہے۔ ہمارے مدارس میں باستثنائے چند — ادب یا لغت پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی، یعنی ادب کو ایک زندہ اور متحرک روایت کے طور پر بھی نہیں پڑھا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ ایک طالب علم جاہلی دور کی شاعری یا عباسی عہد کی نثر یا المتنبی اور ابو نواس جیسے کلاسیکی شعراء کا کلام تو پڑھ لیتا ہے اور اس کا ترجمہ بھی کر سکتا ہے، لیکن یہ مطالعہ اکثر حالات میں کوئی تنقیدی بصیرت پیدا نہیں کرتا۔ پہلے ہم عباسی عہد کے ساتھ ہی عربی ادب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بساط کبھی لپیٹ دیا کرتے تھے اب وہاں سے زقند لگا کر نپولین تک پہنچ جاتے ہیں اور ابراہیم شوقی پر اس مطالعے کو تمام کر دیتے ہیں۔ مگر بالکل جدید رجحانات اور ادبی تحریکوں سے عموی طور پر بے خبری ہے۔ اگر ادب کسی قوم کے جذبات و محسوسات کا آئینہ اور اس کے ضمیر کی آواز کا صوت ہیا ہوتا ہے، تو ہم عرب کی صحیح تصویر اسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب اُس کے ادب کا مختلف جہتوں سے اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ مطالعہ کریں۔

یہ تو ادب کا حال تھا۔ اب رہا زبان کا مطالعہ، اس میں بھی متعدد پہلو ہمارے غور وفکر کے مستحق ہیں۔ ہم زبان کو بھی ایک جامد شے سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اس کے فطری بہاؤ سے عموماً بے خبر رہ جاتے ہیں۔ دوسرے زبان کے سائنٹفک مطالعے کے لئے جو جدید ترین وسائل اور مناہج ہیں ہمارے مدارس و جامعات کو ابھی ان کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ زبان کا حال بعینہٖ مجموعِ انسانی کا سا ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور ایک عالم پر چھا جاتا ہے، پھر ناکارہ ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے، یہاں تک کہ ذہنوں سے بھی فراموش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح الفاظ و محاورات کا حال ہے۔ اگر نئی نسل سے ہمارا تعارف نہ ہو تو ہم ایک داستانِ پارینہ بن جاتے ہیں۔ زبان میں بھی نئے الفاظ و مصطلحات خاموشی سے داخل ہوتے رہتے ہیں اور ان کے پس منظر میں ہمیشہ ایک تاریخ بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہمارے موجودہ نصاب تعلیم میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ زبان کے بہاؤ اور اس کے فطری بناؤ سے ہمیں آگاہ رکھ سکے۔ روایتی نصاب تعلیم کی دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں زبان کی تعلیم "مقصود بالذات" ہے۔ ہمارے بیشتر طلبہ کے لئے بس اتنا ہی سرمایہ فخر کرنے کو کافی ہے کہ وہ مترجم یا ترجمان بن جائیں۔ نہ وہ تخلیقی ادب کی طرف آتے ہیں نہ اُن میں اس زبان میں شعر کہنے کا قدرتی داعیہ پیدا ہوتا ہے نہ ان کے اندر وہ انتقادی بصیرت پیدا ہو پاتی ہے کہ عربی ادب کو اپنی میزانِ اقدار میں تول سکیں۔ اس کے بغیر ادب اور زبان کا مطالعہ و تعلیم دونوں بے مقصد، ادھورے اور محض میکانیکی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان ایک ذریعہ ہے۔ اس کا اصل فائدہ تو اس کے حصول کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس بہت اچھی مضبوط اور خوشنما سیڑھی تو موجود ہے مگر کوئی بام بلند نہیں ہے جس پر چڑھنا ہو، تو محض اُس سیڑھی کا مالک بن جانے پر کیا فخر کیا جا سکتا ہے ؟ ہمارے بیشتر طلبہ عربی زبان پڑھ کر بھی اس عظیم الشان علمی خزانے سے بے بہرہ رہتے ہیں جو انھیں اس زبان کے وسیلے سے مل سکتا تھا۔

ادب عربی اور لغت کے نصاب میں ایسی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو طالب علم میں یہ احساس پیدا کرے کہ اس زبان کے وسیلے سے وہ علم وخبر کی نئی دنیائیں دریافت کر سکتا ہے اور مطالعۂ ادب اُسے عالم عربی کی نبضات قلبیہ سے جوڑ دے۔ لیکن غیر دینی عربی تعلیم کا صرف یہی پہلو نہیں ہے۔ ہمیں اپنے نئے (JOB-ORIENTED COURSES) معاش سے مربوط نصاب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدید ترین ضروریات کا لحاظ بھی رکھنا ہوگا۔ آئندہ چند برسوں میں کیا صورت پیش آتی ہے۔ ہماری بُراعت اور مہارت (KNOW-HOW) پر عالم عربی کے انحصار کا تناسب بڑھے گا یا کم ہوگا اس پر ہمارے نصاب تعلیم کی تشکیل بھی منحصر ہوگی (JOB-ORIENTED COURSES)۔ آج عرب دنیا میں ہمارے ڈاکٹر، انجینیر، سائنسداں اور صنعت کار بڑی تعداد میں درآمد کئے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ڈاکٹر یا انجینیر کے لئے عربی زبان محض ایک وسیلہ ہو سکتی ہے، مقصود نہیں بن سکتی؛ اور یہ وسیلہ جسے حاصل ہو وہ زیادہ کامیاب بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے مختلف علوم وفنون اور ٹکنالوجی کی بنیادی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر ان ماہرین کے لئے خصوصی نصاب ایک سال کی مدت کے تیار ہونے چاہئیں جو اسے اپنے فن کی کم از کم اُن اصطلاحوں سے واقف کرا سکیں جن کی ضرورت فنی اور غیر فنی لوگوں سے معاملہ کرنے پیش آتی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک بڑی اور اہم ضرورت پوری ہوگی بلکہ اُن ماہرین فن کی مانگ بڑھے گی وہاں اُن کی کارکردگی بہتر ہوگی اور یہاں ہماری جامعات میں عربی زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقبول ہوگی۔ اس وقت سائنس اور تکنالوجی کے اتنے متنوع شعبے ہیں کہ متعدد نصاب بیک وقت چلائے جاسکتے ہیں۔

ان تجاویز کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے نظام تعلیم میں ایک اور بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت عربی زبان کی تعلیم دو ایسے جداگانہ طریقوں سے ہو رہی ہے جن میں زمین آسمان کا فرق ہے اور کسی طرح کا تال میل نہیں ہے۔ ایک قدیم نصاب و طریق تعلیم ہے جو ملک کے بیشتر مدارس میں رائج ہے جن میں سے زیادہ تر چھوٹے چھوٹے قصبوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طریق تعلیم کی وہی روایتی بنیاد ہے جس میں زبان پر صرف ونحو کے ذریعے سے قابو پانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پنج گنج، میزان منشعب، کافیہ اور شرح ملّا جامی جیسی کتابیں اس میں شک نہیں کہ یہ بہت جامع ہیں لیکن دشواری یہ ہے کہ آج طریق درس وتعلیم (TEACHING METHOD) اتنا آسان اور اتنا ہی بنایا جاچکا ہے کہ جدید طرز تدریس سے ابتدائی اور ثانوی سطح پر آشنا ہوجانے والے بچّے اب اِن کتابوں سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے کہ یہ ریاض کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس لیے آج مدارس اور جامعات کے طالب علموں میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ مدارس کے بعض طلبہ بہت باصلاحیت ہوتے ہیں اور اُن کا علم تھوڑا بھی ہو تو پختہ ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو فائدہ کم وقت میں ایک مُباشر طریقے (DIRECT METHOD) سے حاصل کیا جاسکتا ہے اُسے دشوار اور پیچیدہ کیوں بنایا جائے؟ ۔ اور جن کتابوں کے ذریعے سے خود عرب اپنی زبان نہیں پڑھ رہے ہیں ہم نے اُن سے ہی پڑھنے پر کیوں اصرار کر رکھا ہے؟

عربی زبان کی تعلیم وتدریس کی حد تک جامعات ومدارس میں اشتراک اور تعاون ضروری ہے اور وہ اِس طرح ممکن ہے کہ دونوں اداروں کے نمایندہ تعداد پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی بنائی جائے جو مختلف مدارس کی متنوع ضروریات کو نظر میں رکھتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم و تدریس اور مناہج سے متعلق مشکلات کو حل کرے اور جہاں مختلف اداروں کی ضروریات و مقاصد کا پورا احترام ہو وہیں ان کے نصاب اور طریق تعلیم میں ایک "وحدت" پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ عربی بہرحال ایک محدود طبقے کے محدود افراد کا مسئلہ ہے اور مختلف تعلیمی ادارے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا کر اپنے تھوڑے سے وسائل کو ضائع نہ کریں تو اچھا ہے۔ دونوں اداروں سے لئے گئے نمائندوں پر مشتمل یہ کمیٹی ہی نصاب کی تشکیل کر سکتی ہے۔ اِسے چھاپنے کی نگرانی کے علاوہ انھیں مدارس و جامعات کی مختلف سطحوں پر روشناس بھی کرا سکتی ہے۔

مجھے متعدد یونیورسٹیوں کے بورڈ آف اسٹڈیز سے متعلق ہونے اور ان کے لئے نصاب تعلیم کے منتخب کرنے کا موقع ملا ہے اور خود اپنی یونیورسٹی میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے کہ ہمیں صرف کتاب کے دستیاب ہونے پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ یہ بالکل ثانوی بات ہے کہ وہ کتاب طلبہ کے لئے مفید ہے یا نہیں۔ اکثر حالات میں یونیورسٹی بھی یہ کہتی ہے کہ وہی کتاب تجویز کیجئے جو آسانی سے دستیاب ہو، چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ جان بوجھ کر وہ کتاب تجویز کی گئی جس کے بارے میں علم ہے کہ یہ اغلاط کا پشتارہ ہے اور سخت گمراہ کن ہے۔ بعض کتابوں کے محتویات قابل اطمینان نہیں ہوتے مگر انھیں بھی اس لیے رکھنا پڑتا ہے کہ وہ مل جائیں گی۔ چونکہ ہر یونیورسٹی میں عربی کے گنے چنے طلبہ ہوتے ہیں اس لیے نصاب تعلیم کی تیاری پر کسی یونیورسٹی کو لاکھوں روپے خرچ کرنے سے دلچسپی نہیں ہے۔ اگر کوئی استاد اس کام کا بیڑا اٹھائے تو اُسے ناشر نہیں ملتا اس لیے کہ عربی کتاب کا چھاپنا بھی آسان اور سستا کام نہیں پھر اُس میں اپنا روپیہ پھنسا کر کون کم سے کم ۸ برسوں میں واپس ملنے پر صبر کر سکتا ہے؟۔ مگر یہ محض اندیشہ ہائے دور و دراز ہیں ورنہ ہندستان میں طلبہ کی مجموعی تعداد اتنی ضرور ہے کہ نصاب کی ایک کتاب کا ۲، ۳ ہزار کا ایڈیشن ایک ہی سال میں تمام ہو جائے لیکن ہندستان بھر کی جامعات میں اُسے روشناس کرانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی مرکزی بورڈ یا کمیٹی کے بغیر ممکن نہیں۔

جامعات و مدارس میں تال میل ہونے کی صورت میں عرب دنیا سے اساتذہ کے تبادلے اور مہمان اساتذہ کی درآمد برآمد کا سلسلہ بھی زیادہ مفید اور مؤثر انداز میں شروع کیا جاسکتا ہے۔ یہ تبادلے ماضی میں ہوئے بھی ہیں اور ان سے طلبہ کو بہت فائدے پہنچے ہیں۔

جدید نصابِ تعلیم ہمیں تین مرحلوں کے لئے درکار ہوگا۔

(۱) ابتدائی کتابیں۔ درجۂ اوّل سے پانچویں یا چھٹی جماعت تک۔ اس میں طالب علم کو صرف ونحو اور قواعد کی بوجھل مشقوں سے بالکل ناآشنا رکھ کر صرف نفسیاتی گرامر اور ڈائرکٹ میتھڈ سے عربی زبان اِس حد تک پڑھائی جاسکتی ہے کہ وہ سادہ جملے لکھ پڑھ اور بول سکے۔

(۲) ثانوی کتابیں — یہ درجہ ۵ سے بارہویں جماعت تک کا نصاب اس طرح مرتب کیا گیا ہو کہ اس ثانوی مرحلے پر طالب علم کو ضروری اور بنیادی قاعدوں سے واقف کرا دے۔ دوسرے درجہ بدرجہ اِس میں ادب کے مطالعے کا ذوق اور زبان کے مزاج کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کرسکے۔ اس مرحلے کی کتابوں کا بامقصد منصوبے کے ساتھ مرتب ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ ثانوی کے مرحلے میں اگر کچھ بنیادی خامیاں رہ جائیں تو انھیں کالج اور جامعات کی سطح پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

(۳) تیسرا مرحلہ کلّیاتی سطح کے نصاب کا ہے جو بکالوریا آنرز اور ایم اے کے طلبہ کے لیے ہو۔ یہ نسبتہً آسان ہے اس لیے کہ یہاں اپنے مقاصد اور ضرورت کے لحاظ سے درس کے مواد کا انتخاب کرنا ہے۔ لیکن اگر نصاب کو معاشی افادیت سے مربوط کرنا ہے تو اس مرحلہ میں ترجمہ و ترجمانی، ٹائپ رائٹنگ، اور عربی خط وکتابت کے کورس شامل کیے جاسکتے ہیں۔

ہہہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایم۔ اے کی سطح پر سمینار اور ٹوٹوریل اسکیم بھی مفید ہے اور طالب علم کی سمت ایسی ہونی چاہئے کہ اگر وہ ایم اے کے بعد ریسیرچ کی طرف جانا چاہتا ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت اُس میں پیدا ہو چکی ہو۔

جامعاتی سطح کی تعلیم میں زبان و ادب کے ساتھ علاقائی مطالعہ (AREA STUDY) بھی بہت ضروری ہے اس کے بغیر ایک غیر زبان کی بہت سی باریکیوں کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس ایریا اسٹڈی کے ایک جزو کے طور پر لغتہ عامیۃ کو بھی شامل نصاب ہونا چاہئے اور طالب علم کو اختلاف لہجات (DIALECTS) سے بھی واقف کرایا جائے۔ جدید افسانہ، جدید عربی ڈرامہ اور عربی فلم کو ان دارجہ لہجوں سے آشنا ہوئے بغیر سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے۔

آخر میں ایک تجویز اور رکھنا چاہتا ہوں۔ زبان کا ایک کتابی علم ہوتا ہے اور دوسرا فعّال عنصر ہوتا ہے۔ اس (FUNCTIONAL LANGUAGE) کے لیے ایک ماحول ہونا ضروری ہے تاکہ زبان کا عملی تجربہ بھی حاصل ہوتا رہے۔ ہر طالب علم کے لیے اس مقصد سے عربی بولنے والے علاقوں میں جا کر رہنا ممکن نہیں اور ہمارے تعلیمی اداروں میں ہر ادارہ "ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی طرح ایسا ماحول پیدا نہیں کر سکتا۔ جامعات میں عربی بہت سے مضامین میں سے ایک مضمون ہوتی ہے اور اسے کسی تناسب سے ہی بڑھایا جا سکتا ہے اس لیے بھی بہت سی جامعات یہ ماحول پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ اگر کوئی استاد کسی جامعہ میں ایسا ہے جو اپنی مزاولت کا فائدہ طلبہ کو پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی ایک شخصی پہلو ہے، اُس معلّم کے وہاں سے ہٹ جانے کی صورت میں وہ ماحول بھی ختم ہو سکتا ہے۔ اس لیے جامعات و مدارس کے اشتراکِ عمل سے یہ بھی ممکن ہے کہ جن اداروں میں کسی خاص موضوع پر تعلیم کا بہتر انتظام موجود ہو وہاں دوسرے مدارس کے طلبہ کو تربیت کے مختصر مدّت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پروگرام پر بھیجا جاسکے۔ گرما کے مدرسے (SUMMER SCHOOLS) اور دراسات تطریہ (REFRESHER COURSES) کے ذریعہ بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس بات پر غالباً سب کا اتفاق ہوگا کہ عربی زبان میں معاشی فائدے کے نصاب بنانے کی جتنی ضرورت آج ہے اتنی کبھی نہیں تھی اور اس کے لیے ماحول بھی سازگار ہے، لیکن اس کی تعلیم کا سارا نظام کسی منصوبے اور مقصد کے بغیر ہی چل رہا ہے۔ ہندستان کی اہم جامعات اور مدارس کے فاضل استادوں کا یہ اجتماع اگر اس نصاب میں مقصدیت پیدا کرنے کے کچھ طریقوں کو دریافت کرلے تو اس کے نتائج بہت دوررس ہوں گے اور اس اجتماع کا جواز بھی پیدا ہوجائے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(آل انڈیا عربی سمینار، حیدرآباد میں پڑھا گیا)

قرنِ اوّل کا ایک مُدبّر

ایک حوصلہ مند عرب مدبر کی زندگی کا تحقیقی جائزہ جس نے اہل بیت کی حمایت اور ان کی شہادت کے انتقام کی مہم چلاکر موالی اور غلاموں کو عربوں کے سیاسی و معاشی استبداد سے نکالنے کی تحریک اٹھاکر اور مذہبی بہروپ بھرکر پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے ربع ثالث میں حکومت قائم کی تھی۔

... ۱۱ ... صفحات سائز ۸/۲۳×۱۸

قیمت مجلد -/6 روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com